

عزبری رحمن کے افسانوں میں تانیثی حسیت

عزبری رحمن کا تعلق مشرقی چمپارن کے شہر موہیاری سے ہے۔ مشرقی چمپارن کی یہ وہی سرزمین ہے جہاں مشہور زمانہ ناول "Nineteen hundred and eighty four" اور طویل افسانہ "The animal farm" کا مصنف جورج اورویل پیدا ہوا تھا۔ ہندوستان کی پہلی Parachuter خاتون جینتی مکھرجی بھی یہیں پیدا ہوئی تھیں۔ مہرشی بالمشکی کی کرم بھومی بھی یہی سرزمین رہی ہے جہاں انہوں نے رامائن جیسی مہاگرنتھ کی تخلیق کی تھی اور یہیں بالمشکی آشرم میں لو اورگش پیدا ہوئے تھے جنہوں نے اپنی ماں کے ساتھ ہورہی زیادتوں کے خلاف آواز بلند کی تھی اور اپنے والد سری رام کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ گاندھی جی نے بھی بھارت چھوڑو آندولن میں سے شروع کیا تھا اور یہی وہ آندولن ہے جس کے بعد گاندھی جی ”موہن داس کرم چند گاندھی“ سے ”مہاتما گاندھی“ بنے تھے۔ چمپارن کی اس سرزمین کی مٹی کی یہ تاثیر ہے کہ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کے ادب کی تخلیق کی ہے۔ آج بھی یہاں درجنوں قلم کار اپنی تخلیقات کی خوشبو سے اردو کے چمن کو مہر کار ہے ہیں۔ عزبری رحمن بھی انہیں قلم کاروں میں سے ایک ہیں جن کی سرشت میں یہاں کی مٹی کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔

عزبری رحمن ایک تازہ کار افسانہ نگار ہیں، انہوں نے اپنے افسانوں میں انہیں واقعات و حادثات کو موضوع بنایا ہے جنہیں انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اسی لیے ان کے افسانوں میں علاقائی رنگ کے ساتھ ساتھ آفاقیت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ مثلاً عورتوں کے مسائل کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ اب وہ علاقائی مسائل نہیں رہے بلکہ آفاقی ہو گئے ہیں کیوں کہ ان مسائل میں تانیثی آگہی کارفرما ہے۔

عورتوں پر صدیوں سے ظلم و ستم اور استحصال کا سلسلہ جاری ہے، انہیں ہمیشہ مجہول، کمزور اور ناقص العقل سمجھا گیا۔ پیشہ ورانہ کارکردگی کے اعتبار سے عورت اور مرد کے درمیان امتیاز کیا گیا۔ مذہبی، سیاسی اور سماجی سطح پر دونوں کے درجات میں تفریق کی گئی۔ پدری نظام، مرد غالب معاشرہ اور مرد عورت کے درمیان حقوق کی غیر مساوی تقسیم اور روایات کا جبر جیسے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ حد تو یہ ہے کہ عورت کو ایک انسان نہیں بلکہ بعض دفعہ اشیاء یا Commodity سمجھا جاتا رہا ہے۔ شاید اسی لیے Gayle Rubin نے کہا تھا کہ ”عورت شادی میں دان دی جاتی ہے، جنگ میں جیتی جاتی ہے، ہدیہ میں پیش کی جاتی ہے، بطور رشوت دی جاتی ہے اور اسے خرید اور فروخت کیا جاسکتا ہے“۔ عورت پر ہونے والے انہیں مظالم کے رد عمل کے طور پر تانیثیت کا تصور ظہور پذیر ہوا۔ پچھلے دو سو سالوں سے ادبیات عامہ میں تانیثی شعور کی تھر تھرائٹیں موجود ہیں لیکن اس کے واضح نقوش جان اسٹوارٹل کی تصنیف "On the subject of women" اور ورجینیا وولف، ایچ۔ جی۔ ویلز اور برناڈ شاہ کی تخلیقات میں موجود ہیں۔ فرانسیسی مفکروں اور قلم کاروں میں جولیا کرستیاوا، ایلے سیزو، ماریا انٹونینا، Xaviere Gauthier اور Simon de Beauvoir وغیرہ کی تخلیقات میں تانیثی رجحان کی لے مزید تیز ہوگئی ہے جس کی وجہ سے 1075ء میں برطانیہ حکومت کو عورت کے حقوق کی حفاظت اور معاشرے میں عورت کے تئیں منصفانہ سلوک کے لیے قانون بنانا پڑا۔ رفتہ رفتہ تانیثی رجحان مغرب سے مشرق تک پھیل گیا اور مشرقی مصنفوں نے بھی اپنی تخلیقات میں تانیثیت کے حق میں کھل کر لکھا۔ ہندوپاک کے مصنفوں میں اللہ عارف،

مہادیوی، امریتا پرتیم، عصمت چغتائی، کملا داس کرشنا سوپتی، مہاشو تیا دیوی، ہمیدہ ریاض، پروین شاکر، کشورنا ہید، شہناز نبی، فرخندہ نسیرین، شفیق فاطمہ، ساجدہ زیدی، سارہ ٹگفتہ، رفیعہ شبنم عابدی، بلقیس ظفر الحسن اور زیر بحث افسانہ نگارہ عنبری رحمن وغیرہ کی تخلیقات میں تانیثی شعور آگئی بدرجہ اتم موجود ہے۔

تانیثیت کے سلسلے میں متعدد نقادوں نے بھی اس کے احتجاجی پہلو پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سلویا پلاٹھ کے اس خیال سے اتفاق کیا کہ ”عورتوں کے بارے میں گفتگو کی گئی لیکن ان کے لئے گفتگو نہیں کی گئی۔ Sylvia Plath کی شکایت اب دور ہو جائیگی کیوں کہ موجودہ دور کے بیشتر ناقدین اور قلم کار تانیثیت کے موضوع پر لکھنے لگے ہیں۔ ان قلم کاروں میں عنبری رحمن قابل ذکر ہیں جنہوں نے ڈوروتھی پارکی طرح اپنے افسانوں میں عورت کو گھر اور سماج میں اس کا صحیح مقام دلانے پر زور دیا ہے۔ سارہ ٹگفتہ اور کشورنا ہید کی طرح اپنی تخلیقات میں انہوں نے احتجاج بلند کیا ہے اور جگہ جگہ تانیثی تشخص کے مسئلے کو اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عورت غیر اہم، کمزور اور نہ دوئم درجہ کی شہری ہے۔

عنبری رحمن نے اپنے افسانوں میں سیتا کی آگئی پرکچھا اور درو پدی کو جوئے میں ہارے جانے والے واقعات کو اپنے طنز کا نشانہ بنا کر اپنے موقف کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ وہ صدیوں سے عورتوں پر ہو رہے ظلم و زیادتی کے خلاف ہیں۔

پدری نظام میں عورت کی حیثیت ایک کمتر مخلوق اور غیر اہم فرد سے زیادہ نہیں ہے۔ عورتوں کی حیثیت کو مردوں سے ہمیشہ کم سمجھا گیا اور بعض غلط رسم و رواج اور رجحانات کے تحت عورتوں کو صرف مذہبی تعلیم دی گئی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت انہیں نہیں دی گئی۔ عنبری رحمن نے مرد اس نظام کو اکثر افسانوں میں طنز و تنقید کا نشانہ بنایا ہے کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ عورتیں کسی بھی اعتبار سے مردوں سے کمتر نہیں ہوتی ہیں۔ تانیثی تحریک کے مفکر ہیلن فشر نے بھی اپنی مشہور تخلیق "The First sex" میں لکھا ہے کہ ”دماغی ساخت کے اعتبار سے عورتیں مردوں پر سبقت رکھتی ہیں لہذا ”صنف اول عورت ہے نہ کہ مرد“..... ”زبان کے اعتبار سے بھی عورتیں مردوں سے بہت آگے ہیں ان کے حواس خمسہ بھی زیادہ تیز اور حساس ہیں لہذا ان کا مشاہدہ اور ان کی زبان، ان کا لب و لہجہ اور ادب مختلف ہی نہیں بہتر ہے“۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے عنبری رحمن نے عورتوں کی حمایت میں کھل کر لکھا ہے۔

زندگی کے ہر موڑ پر عورتوں کے ساتھ نا انصافی کی جاتی ہے اور طرح طرح سے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ افسانہ ”میں نے جینا سیکھ لیا“ میں ثنا کے کردار کو بیٹی، بیوی، بہو اور ماں کی شکل میں پیش کر کے عنبری رحمن نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مسلم گھرانوں میں خاص کر زمینداروں اور نوابوں کے یہاں ماں باپ اپنی بیٹیوں کو لاڈ پیار سے پالتے تو ضرور ہیں لیکن Professional اور اعلیٰ تعلیم کی اجازت نہیں دے کر اس کے ساتھ نا انصافی کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں وقت سے پہلے اور بیٹی کی مرضی کے خلاف اس کی شادی کر کے اس پر ظلم کرتے ہیں۔ سسرال میں اس کی ساس اور سسر، شوہر کی غلطیوں اور ظلم و ستم پر خاموش رہنے پر مجبور کر کے اس پر ظلم کرتے ہیں۔ جب عورت ماں بن جاتی ہے اور نئے ماحول میں خود کو ڈھال لیتی ہے تو شوہر کسی بدچلن عورت سے شادی کر کے اسے گھر میں لاتا ہے اور اصل بیوی کو طلاق کے لئے مجبور کر دیتا ہے جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ بیوی اپنے بچے کے ساتھ نئی زندگی کی شروعات کرتی ہے۔ بیٹی کی پرورش کر کے بڑا کرتی ہے اور پڑھا لکھا کر ایک لائق انسان بناتی ہے لیکن بیٹی کی جب نوکری لگ جاتی ہے اور شادی ہو جاتی ہے تب بیٹا اپنی بیوی کو لے کر ماں سے الگ ہو جاتا ہے اور ماں کو چھرتہائی کی زندگی جینے کے لیے مجبور کر دیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ عنبری رحمن نے اپنے افسانوں میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ بچپن سے لے کر زندگی کے آخری لمحے تک ایک عورت کو نہ جانے کس کس طرح کی مصیبتوں، نا انصافیوں اور بے وفائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں مظلوم عورتوں کو ثنا کے کردار کے ذریعہ ترغیب بھی دی ہے کہ ہر حال میں انہیں اپنے بل بوتے پر جینا سیکھ لینا چاہئے۔

مردم کو سماج میں عورت کی بے قدری، محرومی اور اس پر عائد کردہ قدغن کے خلاف عنبری رحمن نے آواز بلند کی ہے اور عورت کو گھر اور سماج میں اس کا صحیح مقام دلانے کے تصور پر زور دیا ہے۔ وہ عورتوں کو مردوں کے ظلم و ستم اور نا انصافیوں کو برداشت کرنے کی ترغیب نہیں دیتی ہیں۔ انہوں نے افسانہ ”مجت کے امتحان اور بھی ہیں“ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ارباب کا شوہر کا مران امریکہ جانے کے بعد ایک امریکن عورت کیتھرین سے شادی کر لیتا ہے

تو ارباب ہمت ہارتی نہیں ہے بلکہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے پہلے اپنے پیروں پر کھڑی ہوتی ہے پھر اپنے آفس کے باس احمر سے شادی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ یہ فیصلہ اس کے شوہر کا مران کے لیے انتہائی Shocking تھا اور ارباب کے لیے انتقام۔

عزیزی رحمن نے میاں بیوی کی محبت، وفا شعاری اور بے وفائی نیز ماں کی ممتاز اور بیٹی کی خود غرضی کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ وہ بے وفا شوہروں اور خود غرض بیٹیوں کے ساتھ رہنے کے بجائے ان کے بغیر زندگی گزارنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ افسانہ ”بننے بگڑتے رشتے“ میں انہوں نے شوہر کی نفسیات کو افسانہ کی مرکزی کردار بوڑھی اماں کی زبان میں یوں بیان کیا ہے:

”مجھے کیا پتہ تھا کہ مرد کی محبت ایک بہتی دریا کی مانند ہے جو ایک جگہ ٹھہرتی نہیں بلکہ اپنی راہ میں پڑی چیزوں کو بھگوتا چلا جاتا ہے۔..... ویسے بھی مرد کا دل پرانی چیزوں سے بہت جلد بھر جاتا ہے اور نئی چیزوں میں ہمیشہ کشش بنی رہتی ہے۔“

مردوں کی نفسیات اور ذہنیت پر مختلف زبانوں کے تخلیق کاروں نے بھی لکھا ہے۔ ان تخلیقات کا نفسیاتی تجزیہ بھی پیش کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیزی رحمن کا خیال غلط نہیں ہے۔

برطانیہ کا ایک مشہور فکشن نگار Somerset Maugham نے اپنے ناول "Moon and six pence" میں آرٹ، عورت، محبت، اخلاقی ضوابط اور سماج کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس ناول کے ہیرو اسٹرک لینڈ اور اس کی بیوی کے درمیان کے تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے ازدواجی زندگی کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی کبھی انسان ازدواجی زندگی میں شب و روز ایک دوسرے کی محبت میں بسر کرنے کی وجہ سے دونوں اپنی شخصیت کی جاذبیت اور کشش سے محروم ہونے لگتے ہیں۔ سیدہ جعفر نے اسے انسانی نفسیات کی بواجبی اور انسانی جذبات کے ایک عجیب و غریب تقاضے سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے Somerset Maugham کے اس ناول کا مقابلہ ہندی کے فکشن نگار گل شیر خان ثانی کی تخلیق ”آنکھیں“ سے کیا ہے اور اس کی روشنی میں لکھا ہے کہ:

”انسان فطرتاً تازگی پسند واقع ہوا ہے۔ ازدواجی زندگی میں کبھی کبھی گزرتے ہوئے ماہ و سال تازگی مٹا کر جذبے کو پڑ مردہ اور حسن کو کند کر دیتے ہیں اور زندگی میں یکسانیت اور بے کیفی کا احساس شدید ہونے لگتا ہے۔ اس لیے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی فریقین جذباتی طور پر دور ہو جاتے ہیں۔“

(اردو دنیا، مئی، 2010، ص-21)

عزیزی رحمن نے مرد اساس سماج کے تئیں جارحانہ رخ اختیار کرتے ہوئے افسانہ ”کسوٹی“ میں شوہر کی بے وفائی پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”ہر مرد ایک جیسا ہی ہے۔ بالکل کتے کی طرح جہاں گوشت کا ٹکڑا دیکھا کھانے کی لالچ پیدا ہوگی..... اس دھرتی پر نہ کوئی مرد ازل سے ابد تک شریف ہے اور نہ قابل یقین۔ مرد کی تخلیق بے وفائی کی مٹی سے عیاشی کے پانی میں گوندھ کر ہوئی ہے۔“ عزیزی رحمن نے مرد حاوی معاشرہ پر جس طرح سخت رخ اختیار کیا ہے اور عورتوں پر ہور ہے ظلم و ستم کے خلاف اظہار خیال کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تائیدیت کی نئی فکر سے خاص طور پر متاثر ہیں۔

آج کے مرد مرتکز ماحول میں عورتیں نہ صرف اپنے شوہروں اور سرسرا والوں کے ظلم کی شکار ہو رہی ہیں بلکہ اپنے خون اور خود غرض بیٹیوں کے ظلم کا بھی شکار ہو رہی ہیں۔ افسانہ ”میرا فیصلہ“ میں عزیزی رحمن نے بوڑھی اماں کے دو بیٹیوں کی خود غرضی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ایک بوڑھی ماں کا ایک بیٹا انہیں تنہا چھوڑ کر امریکہ چلا جاتا ہے اور دوسرا ہندوستان کے کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے۔ دوسرا بیٹا اماں کو لے جانے کے لیے آتا ہے لیکن اماں کا خیال ہے کہ ”اسے ماں سے زیادہ ایک کنیز کی ضرورت ہے جو اس کے گھر اور اس کے بچوں کو سنبھال سکے۔“ اس لیے اماں بیٹی کے ساتھ جانے کے بجائے گھر

میں تنہا رہنا پسند کرتی ہے۔ اس افسانے میں عنبری رحمن عورتوں کو اپنے بل بوتے پر جینے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

ماں کی ممتاز اور بیٹوں کی بے وفائی کی داستان کو عنبری رحمن نے ایک اور افسانہ ”شام ہو چلی“ میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ممتاز لٹانے والی بیوہ ماں شائستہ بیگم کے بیٹے آفتاب کو چڑیوں کے ان بچوں سے تعبیر کیا ہے جو پنکھ نکلتے ہی گھونسلوں سے ماں کو تنہا چھوڑ کر اڑ جاتے ہیں۔ پرندے تو اپنے بچوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کر لیتے ہیں لیکن انسان کے لیے یہ کام مشکل ہے۔

عنبری رحمن نے جہاں عورتوں کے مسائل اپنے افسانوں کے ذریعہ عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے وہیں انہوں نے گھر کی معصوم فضا گھر کی چہار دیواری کے تناظر میں عورت کی جذباتی دنیا اور اس کی خوشی اور غموں سے متعلق تجربات سے بھی افسانوں کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا۔ انہوں نے گھر بیوہ عورتوں کی نفسیات اور کمزوری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ایک عورت، عورت ہی رہنا چاہتی ہے دیوی نہیں۔ ایک عورت میں جہاں ایثار و قربانی کا جذبہ زیادہ پایا جاتا ہے وہیں اس میں ماں بننے کی خواہش شدید ہوتی ہے اور اپنے شوہر کی قربت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ افسانہ ”آخر میں بھی ایک انسان ہوں“ میں عنبری رحمن نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ گھر میں عورت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور ماں بننے کا تجربہ عورت کی آرزوؤں کا حاصل ہوتا ہے۔ ماں بننا عورت کے خواب کی محض تکمیل ہی نہیں بلکہ اپنے نسائی وجود کے مکمل ہونے کا مسرت بخش احساس بھی ہے۔ اس افسانے کی مرکزی کردار چمپا اپنے شوہر اور سسر کی خوشی کے لیے اپنے شوہر کے بھائیوں کو ماں کی طرح پال پوس کر انہیں بڑا کرتی ہے پھر ان کی شادیاں ہو جاتی ہیں اور سب کے بچے بھی ہو جاتے ہیں لیکن چمپا نہ ماں بن پائی اور نہ اسے اپنے شوہر کی قربت ملی جو ہر عورت کی کمزوری ہوتی ہے۔ عنبری رحمن نے لکھا ہے کہ ”ان کی پرورش کرتے کرتے چمپا خود ماں بننا بھول گئی۔ ساری حویلی میں اسے ایک دیوی کا درجہ حاصل تھا۔ کام سے تھکی ہاری چمپا دو گھڑی نکال کر تنہائی میں بیٹھتی تو اسے اپنے اندر ایک خالی پن اور اداسی کا احساس ہوتا“، لیکن چمپا کو اپنی قربانیوں کے لیے افسوس اس وقت ہوتا ہے جب اس کی تینوں دیورائیاں اس کو طعنے دیتی ہیں اور اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتیں ہیں۔ چمپا کا شوہر اسے دلاسا دیتا ہے اور جب یہ کہتا ہے کہ ”حویلی کا ہر فرد آپ کو دیوی کا درجہ دیتا ہے، دیوی“ تو چمپا کو یہ لفظ گالی جیسا لگتا ہے۔ عنبری رحمن نے عورت کی نفسیات اور چمپا کے جذبات کی عکاسی ان لفظوں میں کی ہے:

”یہ لفظ چمپا کو آج کسی گندی گالی کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ پہلی بار چیخ سی پڑی ”مت کہیں ہمیں دیوی۔ دیویاں تو پرستش کے لیے بنتی ہیں اور ان کی تخلیق بھی پتھروں سے ہوتی ہے جن کے سینے میں جذبات یاد نہیں ہوتے۔ میں ایک انسان ہوں، ہاٹ مائس کی بنی انسان، جس کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہے اور سوچنے کے لیے ایک دماغ بھی اور جسے چوٹ پہنچنے پر درد بھی ہوتا ہے اور دکھ پڑنے پر آنسو بھی گرتے ہیں۔ آپ بھگوان کے لیے مجھے دیوی کا درجہ نہ دیں، ایک انسان ہی بنا رہنے دیں کیوں کہ دیویوں کو آدر اور پوجا کی ضرورت ہے مگر ایک انسان کو زندہ رہنے کے لیے محبت اور چاہت چاہیے۔“

مشہور زمانہ مصوٰر پکاسو بھی اپنی محبوبہ (جو بعد میں منگیتر ہو گئی تھی) کو دیوی مانتا تھا۔ اس نے جب اس کی تصویر بنانی شروع کی تو ایک Object کی طرح اسے سامنے بیٹھا کر اس کے برہنہ بدن کے ہر حصے کو چھو چھو کر محسوس کرتا تھا پھر اس کی تصویر بناتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ پکاسو نے اپنی محبوبہ کی لازوال تصویر بنائی تھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے بے حد محبت کرتا تھا لیکن اس کی محبوبہ نے آخر میں اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی محبوبہ نے لکھا ہے کہ ”پکاسو مجھے ایک عورت نہیں بلکہ ایک دیوی سمجھتا تھا۔ اس نے میرا استعمال ایک Object کی طرح کیا تھا عورت کی طرح نہیں۔ اسی لیے میں نے شادی سے انکار کر دیا کیوں کہ مجھے کسی پتھر کی صورت کا پجاری نہیں بلکہ ایک شوہر چاہئے تھا۔

مذہبی اقدار سے جذباتی قربت کی وجہ سے عنبری رحمن نے بعض تانیثی کردار کو وفا کی دیوی کی شکل میں بھی پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں شوہر بیوی کی

جدائی میں زندہ رہ سکتا ہے بلکہ ایک نئی دنیا آباد کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر کی جدائی اور انتظار میں مر سکتی ہے لیکن بے وفا نہیں ہو سکتی ہے۔ افسانہ ”انتظار“ میں اپنے فوجی شوہر کی جدائی اور انتظار میں ایک بیوی پر کیا گزرتی ہے اس کی عکاسی کرتے وقت عمری رحمن نے اس میں وہی کیفیت پیدا کی ہے جو کالی داس کی مشہور تخلیق ”میگھ دوت“ میں موجود ہے۔

عمری رحمن خود وفا شعار خاتون ہیں اس لیے ہر عورت کو مثالی کردار کے روپ میں دیکھتی ہیں اور مثالی عورت کا کردار خلق کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک عورت وفا کی دیوی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ کبھی بھی بے وفائی نہیں کر سکتی۔ اپنی عزت اور وقار کے لیے اپنی جان دے سکتی ہے لیکن کسی جانور صفت انسان کے سامنے خود کو پیش نہیں کر سکتی۔ افسانہ ”قانون کار کھوالا“ میں مرکزی کردار جو ایک عورت ہے، پہلے ایک غنڈے سے پھر ایک خاکی وردی والے سے اپنی عزت بچانے کی خاطر جان دے دیتی ہے لیکن اپنی عزت پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ اس افسانے میں پولس والوں کی درندگی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

عمری رحمن جس ماحول کی پروردہ ہیں اس میں ہمیشہ تلقین کی جاتی رہی ہے کہ خدا نے زندگی کا جو نظام بنایا ہے اس کا احترام کرنا چاہئے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی چاہئے کیوں کہ قدرت کے نظام کے خلاف زندگی بسر کرنے والے کبھی خوش نہیں رہ سکتے ہیں۔ اسی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ لڑکیوں کے لیے اس کا مائیکہ چڑیوں کے گھونسلے کی مانند ہوتا ہے۔ جس طرح چڑیوں کے بچے بڑے ہوتے ہی اڑ جاتے ہیں اور اپنی نئی دنیا بسا لیتے ہیں اسی طرح لڑکیوں کو بھی بڑی ہو جانے کے بعد اپنی الگ دنیا بسا لینا چاہئے۔ انہوں نے افسانہ ”چڑیوں کا چمبا“ میں ”بہار“ کو خبردار کرنے کی کوشش کی ہے کہ شادی نہیں کرنے کی ضد چھوڑ دے ورنہ مائیکے میں اسے طعنے سننے پڑیں گے کیوں کہ مائیکے میں رہنا خلاف فطرت ہے۔ سسرال میں لڑکیاں وہاں کے نئے ماحول میں خود بخود ڈھلتی چلی جاتی ہیں اور ان کی اپنی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔ بقول عمری رحمن ”عورت کی تخلیق ہی اس کچی مٹی سے کی گئی ہے جو ہر حالات کے سانچے میں بخوبی ڈھل جاتی ہے۔“

عمری رحمن کے بعض افسانوں میں مخصوص تہذیبی رجحانات اور مرد و عورت کے لیے پدیری نظام کے مقرر کردہ حدود کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شوہروں کی بے وفائی کسی بھی حال میں قابل قبول نہیں ہے لیکن شوہروں کی بعض زیادتیاں عورتیں برداشت کر لیتی ہیں۔ افسانہ ”اور سچ یہی ہے“ میں آسیہ کی ماں کے ساتھ اس کے والد کی زیادتیوں کو دیکھ کر اپنے والد سے نفرت کرتی ہے اور اپنی ماں کو لے کر والد سے الگ رہنے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس کی ماں آسیہ کو سمجھاتی ہے اور کہتی ہے کہ ”بے شک تمہارے والد ظالم ہیں مگر انہوں نے مجھے پیار بھی بے انتہا دیا تو کیا میں ان کی ساری عمر کی محبت کو بھول کر اس عمر میں ان سے الگ ہو جاؤں؟“

عمری رحمن کے افسانوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بازاریدی، ہلنی سنگھ اور مرنا لپاٹڈے جیسی تانبہ کی علم برداروں کی طرح عورت کی عظمت، اور اس کے فعال کردار پر اصرار کرتی ہیں۔ عورت کو سماجی نظام سے برسرِ پیکار دیکھنا چاہتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورت کو روایت شکن ہونا چاہئے اور انہیں مروجہ نظام کو رد کر دینا چاہئے تاکہ سماج میں عورت کی اپنی حقیقی شناخت اور اصلی وجود قائم ہو سکے کہ یہ کائنات دراصل ”امہاتی نظام“ پر ہی قائم ہے۔ قدیم دور میں اسی نظام کو معتبریت حاصل تھی، بعد کے زمانوں میں سازشی ذہنوں نے اس میں ترمیم و تیسخ کی جس کی وجہ سے عورت ’ثانوی حیثیت‘ کی ہو کر رہ گئی ورنہ تو اسی کے وجود سے سارے نظام میں تحریک تھا اور وہی اصل وجود سمجھی جاتی تھی۔



Residence: 262-D, Shipra Sun City, Indirapuram, Ghaziabad-201014

Mobile No: 09911796525

Website: people.du.ac.in/~aahmad